مقامِ ابراہیم کی منتقلی،

فقہی و تجزیاتی مطالعہ

حا فظ خالد محمود[[1]](#footnote-1)

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی[[2]](#footnote-2)

ABSTRACT:

One of the major issues that have arisen in the recent pilgrimage to Hajj, due to the recent conflict, is the justification and non-validity of the transfer of Maqam e Ibrahim. Is this the place where Maqam e Ibrahim was placed in the prophecy, or did Umar e Faroq(رضی اللہ عنہ) move him from a fixed place to the present place? Then on this basis, the issue was presented whether or not today. In the future, there will be situations where Maqam e Ibrahim's ability to remain in his place causes harm or concern for worshipers or pilgrims. Change its place in the appropriate decision or not? Therefore different views with the evidence and analysis of contemporary scholars have been given to justify priority.

عصرِ حاضر میں ازدحام کے باعث جو مسائل نوازلِ حج میں شامل ہیں ان میں مقامِ ابراہیم کی منتقلی کےجواز او رعدمِ جواز کا مسئلہ بھی ہے۔ اس سے قبل کہ ہم اس بابت تحقیق کریں،ضروری معلوم ہوتاہے کہ پہلے ایک اہم مسئلہ کے بارے میں بحث و تجزیہ کرلیں کہ مقامِ ابراہیم جس جگہ آج موجود ہے آیا یہ وہی جگہ ہے جہاں عہدِ نبوی میں اسے رکھا گیا تھا یا پھر عمرِ فاروق﷛نے نمازیوں اور طواف کرنے والوں کی سہولت کی خاطر اسے اپنی مقررہ جگہ سے ہٹا کر موجودہ جگہ پر رکھا تھا؟

اہلِ علم کے اس بارے میں دو قول ہیں،آئندہ سطور میں ان کے قائلین اور ان کے دلائل کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گے:

**پہلا موقف:** سفیان بن عُیینہؒ (198ھ)، عمرو بن دینارؒ (126ھ)،ابنِ ابی مُلیکہؒ (117ھ)، محب طبریؒ (694ھ)اور بعض معاصر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ آج بھی مقامِ ابراہیم اسی جگہ پر موجود ہے جہاں پر عہدِ نبوی میں موجود تھا۔ان حضرات نے جن دلائل سے استنباط کیا ہے ،ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ان کا ذکرکرتے ہیں اور ساتھ ان کا علمی تجزیہ بھی کرتے ہیں:۔

**پہلی دلیل:۔** اما م مجاہد ؒ (104ھ)فرماتے ہیں "قال عمر بن الخطاب : یارسول اللہ لو صلینا خلف المقام ، فانزل اللہ: " وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" (1)فکان المقام عند البیت فحوّلہ رسول اللہ ﷺ الی موضعہ ھذا، قال مجاھد : وکان عمر یری الراءی فینزل بہ القرآن (2)

" عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خواہش اظہار کرتے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ! کاش ہم اس مقام ِ ابراہیم کے پیچھے کبھی نماز ادا کریں!، تو اس پر اللہ تعالی نےیہ آیت نازل فرمائی :" وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" چنانچہ مقام ِ ابراہیم پہلے بیت اللہ کے پاس تھا پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اسے وہاں سے ہٹا کر موجودہ جگہ پر رکھ دیا، نیز امام مجاہدؒ (104ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بسااوقات کوئی رائے دیتے تو اسی کے مطابق قرآن نازل ہو جاتا"

**تجزیہ**: مذکورہ دلیل دو وجوہات سے قابلِ نظر ہے**:**

1۔روایت ِ مذکورہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کی بناء پر لائقِ استدلال نہیں ہے۔اس لئے کہ حافظ ابنِ کثیرؒ (774ھ)اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:" ھذامرسل عن مجاھد وہو مخالف لما تقدم"(3) ۔نیز حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ (852ھ)نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔(4)

2۔ امامِ مجاہد ؒ (104ھ)کی درج بالا روایت ان کے اس قول کے خلاف ہے کہ" عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مقامِ ابراہیم کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھا" (5)

**دوسری دلیل**:۔ ابن ابی مُلیکہؒ (117ھ) فرماتے ہیں:۔" موضع المقام ھذا الذی ھو موضعہ فی الجاھلیۃ وفی عھد النبیﷺ وابی بکر و عمر الا ان السیل ذھب بہ فی خلافۃ عمر ، فجعل فی وجہ الکعبۃ ، حتی قدم عمر فردہ بمحضر الناس"(6 )

" مقامِ ابراہیم کی موجودہ جگہ وہی ہے جو زمانہ جاہلیت میں اور عہدِ نبوی اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے ادوار میں تھی ، حضرت عمر کے دورِ خلافت میں سیلاب کی وجہ سے یہ مقام ِ ابراہیم ،کعبہ کے سامنے آگیا تھا، پھرحضرت عمر آئے اور انہوں نے لوگوں کی موجودگی میں اسے دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا"

**تجزیہ:**اس دلیل کا بھی چند وجوہ سے تجزیہ کیا گیا ہے:

1۔ ابن ابی ملیکہ ؒ(117ھ)کی مذکورہ روایت قابلِ استدلال نہیں ہے ،کیوں کہ ان ہی سے صحیح سند کے ساتھ اس کے بر خلاف روایت آتی ہے، اور بر بنا ءتسلیم ہم یہ کہتے ہیں کہ ابن ابی ملکہؒ اس میں متفرد ہیں،ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ روایت صحابہ کرام ﷢سےنقل نہیں کی ہے بلکہ ان روایات کے سیاق سے مذکورہ بات اخذ کی ہے جن سے مقامِ ابراہیم کے پاس سیلاب آجانے کا احتمال معلوم ہوتا ہے،لہٰذا حضرت عائشہ﷝ اور دیگر صحابہ کرام ﷢کی تصریح کے مقابلہ میں ابن ابی ملیکہ ؒ (117ھ) کے فہم کو ترجیح نہیں دی جائےگی۔

اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ ابن ابی ملیکہ ؒ(117ھ)نے تیس صحابہ کرام ﷢کا زمانہ پایا ہے،لہٰذا انہوں نے یہ بات محض اپنی رائے سے نہیں کہی ہوگی ،نیز وہ اس قول میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ اور حضرات بھی اس قول کو نقل کرتے ہیں۔(7)

2۔ سفیان بن عُیینہؒ (198ھ)نے مذکورہ روایت کی توضیح اس طرح کی ہے کہ مقامِ ابراہیم، عہدِ نبوی میں بیت اللہ کےایک گوشہ میں نصب تھا، پھر حضرت عمر نے اسے وہاں سے ہٹا کر اپنی جگہ رکھ دیا،اس کے بعد سیلاب اس کو بہا لے گیا تو حضرت عمر نے دوبارہ اس کو پہلی جگہ پر نصب کردیا۔(8)

3۔ اثرِ ابن ابی ملیکہ ؒسے تو تحویل ِ نبوی کی سرے سے نفی ہوتی ہے، نیز یہ کہ مقامِ ابراہیم سیلاب کے واقعہ کے علاوہ کبھی بھی بیت اللہ سے ملصق نہ تھا، لہٰذ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ خود نبی کریم ﷺ نے مقامِ ابراہیم کی تحویل کی تھی حضرت عمر نے نہیں کی تھی، ان کا استدلال اثرِ ابن ابی ملیکہؒ سے ضعیف قرار پائے گا۔(9)

**تیسری دلیل**:۔ مطلب بن ابی وداعۃ السہمی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کے دور خلافت میں ام نہشل نامی سیلاب مسجد حرام میں آگیا،حضرت عمر اس وقت مدینہ منورہ میں تھے،اس سیلاب کی وجہ سے مقامِ ابراہیم اپنی جگہ سے بہہ کر دور چلا گیا،اور سیلاب کی وجہ سے اس کی اصل جگہ مٹ گئی،حضرت عمر عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئے،اور مقامِ ابراہیم کے حوالے سے بڑے فکر مند ہوئے،انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ:جس شخص کو بھی مقامِ ابراہیم کی جگہ معلوم ہو میں اسے قسم دیتا ہوں کہ وہ مجھے بتائے،مطلب بن وداعہ السہمی نے سن کر کہا کہ وہ جگہ مجھے معلوم ہے،مجھے اس کے متعلق خدشہ تھا اس لئے میں نے مقامِ ابراہیم سے حجرِ اسود کی سمت والے دروازے تک،اور دوسری طرف اس جگہ سے زمزم کے کنویں تک ناپ کراس کی پیمائش کو محفوظ کرلیا تھا،حضرت عمر نے فوری طور پر وہ پیمائش منگوائی،اور اس کے مطابق پیمائش کرکے اور لوگوں کی شہادتیں بھی لے کرمقامِ ابراہیم کو اس کی جگہ نصب کروادیا جہاں وہ آج کل موجود ہے۔(10)

**اسلوب ِ استدلال:**اس روایت سے دو طرح سے استدلال کیا گیا ہے:

1۔حضرت عمر کایہ فرمانا کہ " جس شخص کو بھی مقامِ ابراہیم کی جگہ معلوم ہو میں اسے قسم دیتا ہوں کہ وہ مجھے بتائے" اس سے متبادر الی الذہن یہی ہے کہ آپ کی مراد اس سے عہدِ رسالت ہے کہ مجھے یہ بتائے کہ حضور اکرمﷺ کے دور مبارک میں مقامِ ابراہیم کس جگہ نصب تھا؟اس پر یہ قرینہ بھی دالّ ہے کہ حضرت عمر سننِ نبوی کے بارے بڑے بحّاث اوروقّاف تھے۔

2۔ اس روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عمر نے خود مقامِ ابراہیم کی تحویل نہیں کی تھی، کیوں کہ اگر آپ نے خود ایسا کیا ہوتا تو آپ کبھی بھی مدینہ منورہ سے گھبراکر مکہ مکرمہ نہ آتے،اور لوگوں کو جمع کرکے ان سے تحقیق و تفتیش نہ کرتے اور شہادتیں نہ لیتے،بلکہ جہاں چاہتے پہلے کی طرح وہیں رکھ دیتے ۔

**تجزیہ:**اس دلیل کا بھی کئی طرح سے تجزیہ کیا گیا ہے:

1۔ مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کی بناء پر لائقِ حجت نہیں ہے۔(11) مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس روایت کے جس قدر وجوہِ ضعف ذکر کئے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، قولِ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت قابلِ حجّت ہے۔ (12)

2۔ اس روایت کے ایک راوی ابن جریج ؒ (150ھ)بھی ہیں ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مقامِ ابراہیم کو اس جگہ رکھوایا تھا جہاں آج موجود ہے۔(13)

3۔راوی نے جو الفاظ نقل کئے ہیں اسے ابن اسحاقؒ(151ھ)، ابنِ جریر ؒ (310ھ)اور ابنِ کثیرؒ (774ھ)جیسے معتبر اور محقق مؤرخین نے نقل نہیں کیا ہے، جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس بارے توقف اختیار کیا جائے،نیز اس روایت میں حضرت عمر کے عمرے کاذکر ہے، حالاں کہ ازرقی کے سوا اس کو کسی نے ذکر نہیں کیا،اور ازرقی ہیں بھی مجہول الحال۔علاوہ ازیں اس روایت میں ہے کہ "حضرت عمر سن کر گھبرائے ہوئے مدینہ آئے" یہ بات بھی محلِ نظر ہے، کیوں کہ وہاں کوئی دشمن یا کوئی لشکر تو تھا نھیں جس نے مکہ کا محاصرہ کر رکھاہو!اسی طرح اس روایت میں کوئی تصریح بھی نہیں کہ نبی کریمﷺ نے مقامِ ابراہیم کو اس جگہ نصب کیا تھا یا حضرت عمر نے لوگوں سے اس کے بارے عہدِ نبوی کا سوال کیا ہو!(14)

**چوتھی دلیل**:۔ موسیٰ بن عقبہؒ (141ھ)نےاپنی مغازی میں فتح ِ مکہ کے واقعہ کے ذیل میں یہ روایت ذکر کی ہےکہ:"واخّر :ای -رسول اللہ ﷺ-المقام الی مقامہ الیوم، وکان ملصقاً بالبیت"(15)" حضور ﷺ نے مقام ابراہیم کو اس کی موجودہ جگہ پررکھا تھا ،جو پہلے بیت اللہ کے ساتھ ملصق تھا "۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ موسیٰ بن عقبہؒ (141ھ)کے مغازی صحیح ترین شمار ہوتے ہیں۔(16)

**تجزیہ:**اس دلیل کا تجزیہ یوں کیا گیا ہے کہ یہ روایت حضرت عائشہ  (58ھ)اور موسیٰ بن عقبہ ؒ(141ھ)کے شیخ ،حضرت عروہ بن زبیر (93ھ)سے مروی قول کے خلاف ہے،جس میں یہ ہےکہ حضرت عمر نے سب سے پہلے مقام ابراہیم کو اپنی جگہ سے تبدیل کیا ہے۔اوراس روایت کے ناقل ابن کثیرؒ (774ھ)بھی غیر معتبر ہیں،نیز اگر نبی ِ کریمﷺ نے مقام ابراہیم کو اپنی جگہ سے تبدیل کیا ہوتا تو مسئلہ کی اہمیت کے پیش ِ نظراس کو صحابہ کرام﷢ کی بڑی تعداد ضرور نقل کرتی، اور اس سے روایت کی جہالت اور شک بھی دور ہو جاتا،اور اگر ہم بالفرض موسیٰ بن عقبہؒ (141ھ)کی روایت کی صحت کو تسلیم بھی کرلیں تو اسے شاذ قرار دیا جائے گا۔(17)

**پانچویں دلیل**:۔ مقامِ ابراہیم کو ایک اسلامی شعار اور مناسکِ حج میں سے ہونے کا درجہ اور مرتبہ بھی حاصل ہے،نبیِ کریم ﷺ نے خود اسے عہدِ ابراہیمی والی جگہ پر نصب فرمایا ہے، اور پھرہمیں قرآن ِمجید میں حکم دیا گیا کہ اس جگہ کو مصلّیٰ بناؤ، جس کی وضاحت حضورﷺ نے یہ فرمائی کہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے،چناں چہ یہ ایک توقیفی امر ہے،جس کی پابندی از روئے شرع واجب ہے، جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:" ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاء الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (18)

نیز ارشادِ نبویﷺ ہے:" علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین بعدی"،نیز ارشاد نبویﷺ ہے

:" اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر"(19)

بناء بریں کسی کے لئے جائز نہیں کہ جو امر آں حضرت ﷺ کے قول،فعل اور تقریر سے ثابت ہو اس میں کوئی ترمیم یا تبدیلی کرے۔کیوں کہ امّت کے لئے حجت، سنّتِ رسول ہے، جب کہ دیگر لوگوں کی اطاعت کے لئے یہ شرط ہے کہ اس سے سنّتِ نبوی کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔جیساکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ "(20)

لہٰذا اولوا الامر کی اطاعت اسی صورت میں جائز ہوگی جب وہ سنّتِ رسول کے خلاف نہ ہو، اور اس بارے میں خلفائے راشدین سے مروی تمام روایات سنّت ِ رسول کی تائید و تعضید کرتی ہیں۔

**تجزیہ:**مذکورہ دلیل کے بارے میں بحث و تجزیہ اسی طرح سے کیا گیا ہے کہ اس حدیث کاایک راوی، احمد بن کامل بن شجرہ متساھل اور دوسرا راوی عبد العزیز بن محمد الدراوردی متّہم بالخطاء ہے کہ وہ دوسروں کی کتب سے احادیث بیان کرتے وقت غلطی کرجاتے ہیں، بنا بریں یہ حدیث ضعیف قرار پائے گی۔

**دوسرا موقف:**حضرت عائشہ(58ھ)، حضرت عروہ بن زبیر(93ھ)، امام مجاہدؒ (104ھ)، سفیان بن عیینہؒ (198ھ)اور امام مالکؒ

(179ھ)وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ عہدِ نبوی میں جس جگہ پرمقامِ ابراہیم موجود تھا حضرت عمر نے اس جگہ سے اسے ہٹاکر موجودہ جگہ پر نصب کردیا تھا، جہاں وہ آج موجود ہے۔(21) حافظ ابن کثیرؒ(774ھ)، حافظ ابن حجرؒ (852ھ)اور اکثر معاصر اہلِ علم کا مختار قول بھی یہی ہے۔(22)

ان حضرات نے جن ادلّہ سے استدلال کیا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

**پہلی دلیل**:۔ حضرت عائشہ کی روایت ہےکہ:" ان المقام کان-زمان رسول اللہ ﷺ،و زمان ابی بکر- ملتصقا بالبیت ثم اخّرہ عمر"(23) " مقامِ ابراہیم، رسول اللہﷺ کے عہد مبارک میں اور ابوبکر صدیق کے دور میں بیت اللہ کے ساتھ ملصق تھا، پھر حضرت عمر نے اسے اپنی جگہ سے تبدیل کردیا"

**تجزیہ:**اس دلیل کا کئی طرح سے تجزیہ کیا گیا ہے:

1۔یہ حدیث سنداًضعیف ہے،اس لئے کہ اس روایت میں ایک راوی، احمد بن کامل بن شجرہ ہے،جسے خطیب بغدادی نے متساھل قرار دیا ہے،نیز ایک اور عبد العزیز بن محمد الدراوردی نامی راوی متّہم بالخطاء ہیں کہ وہ دوسروں کی کتب سے احادیث بیان کرتے وقت غلطی کرجاتے ہیں۔(24) لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اس کاجواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے،ابن کثیرؒ (774ھ)اور ابن حجرؒ (852ھ)جیسے کثیر اہلِ علم نے اس کی تصحیح کی ہے۔(25)

2۔دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمﷺ نے خود مقامِ ابراہیم کو اس جگہ رکھا تھا نہ کہ حضرت عمر نے۔(26)

3۔ عہدِ نبوی کے بعد مشاعر میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی کرنا کسی کے لئے روا نہیں ہے،چناں چہ اگر حضور نبی کریمﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں مقامِ ابراہیم کو بیت اللہ کے ساتھ رکھ دیا تھا تو پھر اسی جگہ پر اسے برقرار رکھنا اور اس میں تبدیلی نہ کرنا امرِ واجب تھا۔

4۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے حضوراکرمﷺ کے کسی بھی عمل میں کوئی تغیّر و تبدّل کیاہو!بالخصوص مقامِ ابراہیم کو اپنی اس جگہ سے منتقل کرنے کا جہاں وہ عہدِ نبوی میں اور نزولِ قرآن کے وقت پہلے موجود تھا ،اور جہاں حضورﷺ نے اس کے پیچھے اپنی امّت کی راہ نمائی کے لئے نماز بھی پڑھی تھی۔

اس کے دو طرح سے جوابات دئیے گئے ہیں:

**پہلاجواب:**۔ یہ امر یقینی ہےکہ نبی مکرمﷺ کی طرف مقامِ ابراہیم کے منتقل کرنے کی نسبت محلِ نظر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نبی کریمﷺ نے اس کی تحویل کی ہوتی تو یہ بات اتنی تواتر سے منقول ہوتی کہ اس مسئلہ میں کوئی جہالت یا شک و شبہ باقی نہ رہتا،کیوں کہ مسجدِ حرام میں مقامِ ابراہیم کو بڑی اہمّیت حاصل ہے، چناں چہ اس طرح منقول نہ ہونا اس کے عدمِ وقوع پر دلالت کرتا ہے۔(27)

**دوسرا جواب:**۔ دراصل مقامِ ابراہیم کی تعیین میں اسلاف ِ کرام کا اختلاف ہے،بعض کہتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم ،تمام مقاماتِ حج ہیں، بعض کا خیال ہے کہ مقامِ ابراہیم، عرفہ، مزدلفہ اور موقعِ جمار ہے، اور بعض کے نزدیک مقامِ ابراہیم، مسجدِ حرام ہے،جب کہ بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم، وہ خاص پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا۔(28)

اگر ہم اس سے خاص پتھر مراد لیں گے تو پھر اسے مناسکِ حج یا مشاعر میں شمار کرنا معنی مقصودی کے اعتبار سے درست نہیں ہوگا،کیوں کہ مشاعرِ حج سے مراد حج کے اعمال ہیں، جیسے احرام باندھنا،طوا ف کرنا، صفا و مروہ کی سعی کرنا،وقوفِ عرفہ وغیرہ۔خاص پتھر سے تو کوئی حکمِ شرعی متعلق نہیں ہے کہ نہ اس کو مس کیا جاتا ہے اور نہ اس کا بوسہ لیا جاتا ہے، نہ اس کا طواف کیا جاتا ہے،اور نہ اس پر نماز پڑھی جاتی ہے،اس کے پاس تو صرف وہ عمل کئے جانا مستحب ہے جو آں حضرتﷺ سے منقول ہے، یعنی دو رکعت طواف کے پڑھے جاتے ہیں،نیز علماء کا اس پر اجماع ہےکہ اس کے لئے جگہ کی تحدید اور تعیین بھی نہیں ہے، مسجدِ حرام میں جہاں بھی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

باقی رہی بات حضرت عمر کے منتقل کرنے کی ،تو اس کا تعلق ان مصالح ِ مرسلہ سے ہے جو شریعت کے مقاصد و محاسن کے عین ملائم اور مناسب ہوتے ہیں،یہ امر اصولِ شرع کے قطعاً منافی نہیں ہے،اس کا تعلق حرمِ مکی اور حرمِ مدنی کی توسیعات سے ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ نمازیوں اور طواف کرنے والوں کی سہولت کی خاطر مقامِ ابراہیم کی منتقلی جائز نہیں اس پر لازم ہے کہ حرمین کی توسیع کو بھی ناجائز قرار دیدےکہ آں حضرتﷺ نے حرمین کو اسی جگہ قائم رکھا تھا۔(29)

**دوسری دلیل**:۔بہت سے سلفِ صالحین سے بھی یہ منقول ہے کہ حضرت عمر نے ہی مقامِ ابراہیم کو موجودہ جگہ پر منتقل کیا تھا:

**پہلی روایت** :عروہ بن زبیر (93ھ)سے روایت ہے کہ" رسو ل اللہﷺ ، ابو بکر صدیق اور عمر فاروق ﷠اپنے بعض دورِ خلافت تک بیت اللہ کے گوشہ میں نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر نے مقام ِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی"(30)

حضرت عروہ﷛ نے اس روایت میں وہی عبارت نقل کی ہے جو حضرت عائشہ﷝ کی سابق حدیث میں مذکور ہے، نیز اس اثر کا بھی وہی مناقشہ اور تجزیہ کیا گیا ہے جو حدیثِ عائشہ کا کیا گیا ہے۔

**دوسری روایت**: ابنِ جریج ؒ(150ھ)سے روایت ہے کہ" سمعت عطاء وغیرہ من اصحابنا ، یزعمون ان عمر اوّل من رفع المقام فوضعہ موضعہ الآن، وانما کان قبل فی قبل الکعبۃ" (31)

یعنی ابن ِ جریج ؒ(150ھ)کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا ؒ(126ھ)اور دیگر اپنے اصحاب سے یہ سنا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے مقامِ ابراہیم کو اپنی جگہ سے اٹھا کر موجودہ جگہ پر رکھا ہے، اس سے پہلے وہ کعبہ کی جانب تھا۔

**تجزیہ:** اس دلیل کا یوں تجزیہ کیا گیا ہے کہ ابنِ جریج (150ھ)کی اس روایت میں لفظ"یزعمون" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس بات سے انکاری ہیں، کیوں کہ "زعم" کا لفظ اتہامِ کذب کا معنی دیتا ہے، اور اگر اس کو درست بھی مان لیا جائے تو یہ از قبیل ِ رائے ہوگا جس پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ابنِ جریج(150ھ) کا قول "یزعمون" اس بات پر دالّ نہیں ہے کہ وہ ان حضرات پر خدا نخواستہ کذب کا الزام لگا رہے ہیں، بلکہ کلامِ عرب میں "زعم" کا لفظ قولِ محقق کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے،

جیساکہ امامِ بخاری﷫ (256ھ)نے سورۃ تحریم کے نزول کے قصّہ میں ابنِ جریج (150ھ)ہی سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں " زعم عطاء انہ سمع عبید بن عمیر یقول: سمعت عائشہ تزعم ان النبی ﷺ کان یمکث عند زینب بنت جحش و شرب عندھا عسلاً۔"(32)نیز یہ لفظ اہلِ حجاز کی لغت میں قول کے معنی میں مستعمل ہے۔(33)

باقی رہی یہ بات کہ یہ بات از قبیلِ رائے ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں،تو یہ کہنا بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات ان امورِ اخباریہ اور ماضیہ میں سے ہے جن میں قیاس و رائے اور استنباط و اجتہادکا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

**تیسری روایت**: امام مجاہد﷫ (104ھ)سے مروی ہے کہ " اوّل من اخر المقام الی موضعہ الآن عمر بن الخطاب "(34) یعنی پہلا شخص جس نے مقامِ ابراہیم کو اپنی موجودہ جگہ پر رکھا وہ عمر بن خطاب ﷛ ہیں۔

**تجزیہ:**اس اثر پر اس طرح بحث و تجزیہ کیا گیا ہے کہ امام مجاہدؒ (104ھ) کامذکورہ اثر ان کے اس قول کے معارض ہے کہ نبی کریمﷺ نے اس مقام ِ ابراہیم کو اپنی جگہ سے منتقل کیا تھا۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امامِ مجاہدؒ (104ھ)کے مذکورہ اثر کی تصحیح ابنِ حجرؒ (852ھ)اور ابنِ کثیرؒ (774ھ)نے کی ہے، بلکہ انہوں نے ا س اثر کو اس کے معارض اثر پر بوجہ ضعف کے ترجیح دی ہے۔ (35)

**چوتھی روایت** :سفیان بن عیینہ﷫ (198ھ)سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:" کان المقام فی سقع البیت علی عہد النبیﷺ فحولہ عمر الی مکانہ بعد النبی ﷺ وبعد قولہ تعالیٰ:﴿ وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾قال: ذھب السیل بہ بعد تحویل عمر ایّاہ من موضعہ ھذا، فردہ عمر الیہ"(36)

یعنی مقامِ ابراہیم ،عہدِ نبویؑ میں بیت اللہ کے ایک گوشہ میں لگا ہوا تھا ، پھر حضرت عمر نے آں حضورﷺ کے بعد اور اس آیت مبارکہ" وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى "کے نزول کے بعد اس کو اپنی جگہ پر منتقل کردیا ، سفیان بن عیینہ ؒ(198ھ)کہتے ہیں کہ پھر تحویلِ فاروقی کے بعد ایک مرتبہ سیلاب اسے بہا لے گیا تھا، تو حضرت عمر نے دوبارہ اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

**تجزیہ:** اس اثر کا بھی بدو وجوہات تجزیہ کیا گیا ہے:

1۔سفیان بن عیینہ﷫ (198ھ)نے مذکورہ روایت، اختلاط کے بعد نقل کی ہے۔

اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس اثر کی متعدد اہلِ علم نے تصحیح کی ہے،حضرت سفیان بن عیینہؒ (198ھ)مطلقاً ثقہ ہیں۔

2۔ ابن ِ عیینہؒ (198ھ)سے بھی حبیب بن ابی الاشرسؒ (112ھ)کے حوالے سے اس کے معارض روایت مروی ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ﷛ نے لوگوں سے زمانہ نبوّت میں اس مقامِ ابراہیم کی مقررہ جگہ دریافت کی تھی،تاکہ اسی جگہ اسے دوبارہ رکھا جاسکے۔ (جیساکہ اس سے پہلے تفصیلاً گذر چکاہے)

اس کا رد اس طرح کیا گیا ہے کہ حدیث ِ ابن الاشرسؒ سنداً ضعیف ہے،کیوں کہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عمر نے اس کے متعلق لوگوں سے پوچھا ہوکہ عہدِ رسالت میں وہ کہاں رکھا تھا،بلکہ آپ نے لوگوں سے یہ پوچھا تھا کہ خود میں نے اس کو پہلے کہاں رکھا تھا؟ سابقہ روایت زیادہ صحیح او رصریح ہے۔

**پانچویں روایت**:حضرت عمر ﷛ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:" یا ابا عبد الرحمٰن -عبد اللہ بن السائب وکان یصلی باھل مکۃ- صل بالناس المغرب، فصلیت وراءہ-ای المقام- وکنت اول من صلی وراءہ حین وضع ، ثم قال : فاحسست عمر وقد صلیت رکعۃ ، فصلی ورائی ما بقی"(37)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک مرتبہ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن السائب( جو کہ اہلِ مکہ کو نماز پڑھا تےتھے) سے فرمایا کہ لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاؤ، وہ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نے مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھائی، اور میں پہلا شخص تھا جس نے اس کے پیچھے نماز ادا کی جس وقت سے یہ رکھا گیا ہے، پھر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ محسوس فرما کر کہ میں نے ایک رکعت پڑھی ہے ، اپنی بقیہ نماز ادا فرمائی۔

ازرقیؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:" فکنت اوّل من صلی خلف المقام حین حول الی موضعہ" یعنی میں پہلا شخص تھا جس نے مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی جب سے انہوں نے اسے اپنی جگہ پر منتقل کیا۔

**اسلوب ِ استدلال:** اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر نے سب سے پہلے مقامِ ابراہیم کو اس جگہ منتقل کیا تھا۔ اس لئے کہ اگر حضورِ اکرمﷺ نے اسے پہلے منتقل کیا ہوتا تو وہ اس اثر میں اس کا ضرور ذکر کرتے۔نیز اس یہ بھی معلوم ہوا کہ مقامِ ابراہیم کی منتقلی کے بعد پڑھی جانے والی یہ پہلی نماز تھی، جو اس جگہ ادا کی گئی۔

**تیسری دلیل**:۔ حجۃ الوداع کے متعلق حدیثِ جابر میں بیت اللہ کے طواف کا ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ منقول ہیں :" ثم نفذ الی مقام ابراہیم فجعل المقام بینہ و بین البیت" (38) یعنی پھر حضورﷺ مقامِ ابراہیم کی جانب تشریف لائے،اور اس مقامِ ابراہیم کو اپنے اور قبلہ کے درمیان رکھا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:'' ثم تقدم ّالی مقام ابراہیم"(39) یعنی پھر آپ ؑ مقامِ ابراہیم کی طرف آگے بڑھے۔

**اسلوب ِ استدلال:** وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں پر لفظِ تقدّم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت مقامِ ابراہیم بیت اللہ کے ساتھ رکھا ہوا تھا، کیوں کہ تقدّم کہتے ہیں آگے بڑھنے کو،اگر مقامِ ابراہیم موجودہ جگہ پر ہوتا تو تقدّم کی بجائے تاخّر کا لفظ ہوتا کہ آں حضور﷤ طواف کرنے کے بعد پھر پیچھے کو تشریف لائے۔

اس دلیل کابھی اس طرح ردّکیا گیا ہے کہ مذکورہ روایت میں لفظ "نفذ" تو اس دعویٰ کے خلاف پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ "نفذ" کا لفظ کسی چیز میں داخل ہونے یا کسی چیز سے خارج ہونے پر بولا جاتا ہے،اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مقامِ ابراہیم بیت اللہ کے ساتھ رکھا ہوا نہیں تھا۔باقی رہا لفظِ تقدّم سے استدلال تو یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ عرف میں تقدّم کا لفظ اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس کو اپنے آگے یا پیچھے کرنا ممکن ہو۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ مذکورہ روایت میں یہ الفاظ "فجعل المقام بینہ و بین البیت" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس وقت نماز مقامِ ابراہیم کی طرف منہ کرکے پڑھی جارہی تھی، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ مقامِ ابراہیم بیت اللہ کے ساتھ اور آگے موجود ہو، اگر پیچھے ہوتا تو الفاظ یوں ہوتے"فجعل بینہ و بین البیت"۔

اور دوسری روایت میں " نفذ" کا لفظ مقامِ ابراہیم کے اعتبار سے نہیں بلکہ طواف کرنے والوں کے اعتبار سے کہا گیا ہے، لہٰذا اس سے مقامِ ابراہیم کا متاخّر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

**قولِ راجح**: مذکورہ دلائل، اقوال اور بحث و تجزیہ کے بعد راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے ہی مقامِ ابراہیم کو بعد میں اپنی جگہ سے منتقل کیا تھا ، جس کی تائید بہت سے ادلّہ سےہوتی ہے،جب کہ دوسرے قول پر بہت سے اعتراضات ہوتے ہیں،نیز اکثر اہلِ علم بھی یہی بات ذکر کرتے ہیں کہ عمرِ فاروق نے ہی اسے موجودہ جگہ پر رکھا تھا، اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے، کیوں کہ ابراہیم ﷤ نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کی دیواریں تعمیر کی تھیں ، ظاہر ہے کہ یہ پتھر اس کے ساتھ ہی رکھا ہوگا، یہ بات بعید از امکان و عقل ہے کہ انہوں نے اس پتھر کو دور رکھاہوگا، اور اس کو دور رکھنے کی کوئی وجہ یا سبب بھی نہیں ہے، پھراہلِ جاہلیت نے بھی سیلاب کے خدشہ سے اسے بیت اللہ کے ساتھ ملصق رکھا،وہ لوگ اس پتھر کی پوجا تو کرتے نھیں تھے، بلکہ یہ پتھر ان کے ہاں قابلِ احترام تھا،۔

**کیا آج بھی مقام ِ ابراہیم کی منتقلی جائز ہے؟**

اب اس اختلا ف اور دلائل کی بنا ء پر یہ مسئلہ پیشِ نظر ہے کہ آیا آج یا آئندہ کبھی اگر اس مقامِ ابراہیم کا اپنی موجودہ جگہ پر رہنا طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے باعثِ ضرر ہو تو کیا اسے اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں معاصر اہلِ علم کا اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں، جب کہ بعض حضرات توقّف اختیار کرتے ہیں۔

**مجوّزین کے دلائل**:

**پہلی دلیل :۔** جیساکہ اس سے پہلے بتایا گیا کہ مقامِ ابراہیم کو دورِ فاروقی میں اس بناء پر منتقل کیا گیا تھا کہ نمازیوں اور طواف کرنے والوں کے لئے تشویش کا باعث بنتا تھا، آج کے دور میں تو یہ امر زیادہ پُر خطر بلکہ خوفِ جان کا سبب بننے کا اندیشہ رکھتا ہے،بالخصوص جب کہ "مقام" کے بارے میں بھی اہلِ علم باہم اختلاف رکھتے ہیں کہ اس سے مراد کیا ہے؟ جو حضرات اس سے معروف پتّھر مراد لیتے ہیں ان کے یہاں تو ضرر پیش آنے کی صورت میں اس کی نقلِ مکانی میں کوئی امرِ محذور لازم نہیں آتا، اسی طرح جو اس بات کے قائل ہیں کہ "مقام" سے مراد حجر ہے، مکانِ حجر نہیں ہے،ان کے یہاں بھی اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی نئی جگہ پر اس کے پیچھے نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(40)

**دوسری دلیل :۔**  اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُود" (41) ۔

**اسلوب ِ استدلال:**  اس آیت مبارکہ سے دو طرح سے استدلال کیا گیا ہے :

(1): مذکورہ آیت میں لفظِ تطہیر کی تفسیر میں بعض سلف ِ صالحین سے شرک و اوثان سے تطہیراور بعض سے آفات، قولِ زور اور ریب و ارتیاب سے تطہیر منقول ہے۔(42)

لہٰذا جو چیز بھی اس موقع پرطواف کرنے والوں کے لئے عبادات کی ادائیگی میں مانع یا باعث ِ خلل ہو گی وہ بھی تطہیر کے معنیٰ و مفہوم میں شامل ہوگی۔بالخصوص تزاحمِ حقوق کی صورت میں صاحب ِ حق کو اس کا حق دینا ضروری ہوتا ہے۔

(2): اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طائفین کو عاکفین اور مصلین پر مقدّ م کیا ہے،اور قاعدہ ہے کہ تقدیم فی الذکر ،تقدیم فی الحکم پر دلالت کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مصلین اور عاکفین کی بہ نسبت طائفین کا معاملہ زیادہ اہم ہے، جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّهِ"نیز ارشاد ِ نبویﷺ ہے:"ابدأ بمن بدأ اللہ بہ۔۔۔"(43)

**تیسری دلیل:۔** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:" وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً" (44)

**اسلوب ِ استدلال:** وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے بیت اللہ کو امن کا مقام بنایا، اب اس میں دو احتمال ہیں، یا تو یہ امن کی جگہ نہیں ہے، اس سے وعدہ الٰہی کے خلاف ہونا لازم آتا ہے، اس لئے یہ احتمال تو باطل ہے،یا پھر اس کا امن والا ہونا ثابت ہے، لہٰذا اگر کوئی چیز اس امن کی راہ میں حائل ہوگی تو ہم اس کو دور کرنے کے مکلف ہوں گے،اور اس کی صورت یہی ہے کہ مقامِ ابراہیم کو اپنی جگہ سے منتقل کیا جائے تاکہ طواف کرنے والوں کی جانیں محفوظ رہ سکیں۔

**چوتھی دلیل :۔**  چند قواعدِ فقہیہ بھی اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں:۔

(ا) پہلا فقہی قاعدہ ،"الضرورات تبیح المحظورات "یہاں پر ضرورت پائی جاتی ہے، لہٰذا مسلمانوں کی آسانی کی خاطر ضرر کا ازالہ کیا جائے گا، ارشاد ِ باری تعالیٰ ہے:" يُرِيدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ"(45)

(ب) دوسرا فقہی قاعدہ ،"مالا یتم الواجب الا بہ فھو واجب " حجاج کرام پر بیت اللہ کا طواف کرنا واجب ہے، اب یہ امر ِ واجب اسی صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے کہ جب مکان ِ طواف وسیع بھی ہو اور اس میں کوئی شے حائل بھی نہ ہو۔

(ت)تیسرا فقہی قاعدہ، " المصلحۃ العامۃ مقدمۃ علی المصلحۃ الخاصۃ عند التزاحم" اب یہاں پر ایک طرف مقام ِ ابراہیم کا تعظیم خداوندی کی وجہ سے حق ِ خاص ہےکہ اس کو اپنی جگہ رکھا جائے، اور دوسری طرف اللہ کے بندوں کا بھی اس جگہ عام حق اور مصلحت وابستہ ہے، لہٰذا تعارض کےموقع پر مصلحت ِ عامہ کو مصلحت ِ خاصہ پر ترجیح دیں گے۔

(ث) چوتھا فقہی قاعدہ،"المشقۃ تجلب التیسیر" نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" (46)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو چاہیےکہ اپنے آپ کو ضرر رساں چیز سے دور رکھے،لہٰذا طواف کرنے والوں کے لئے بھی جو چیز مانع بنتی ہو اس کا ازالہ بھی ضروری ہوگا۔

(ج) چوتھا فقہی قاعدہ، " الحرج مرفوع عن ھذہ الامۃ" جیساکہ اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے:" وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَج"(47)

نیز فرمایا؛" يُرِيدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" (48)۔ظاہر ہے کہ اس دور میں مقامِ ابراہیم کو اپنی جگہ سے مؤخر کرنے میں ہی امّت کے لئے رفع ِ حرج بھی ہےاور حصول ِ یُسر بھی۔

**مانعین کے دلائل:**

**پہلی دلیل :۔**اس سے پہلے جو دلائل اس بات پر دئے گئے کہ سب سے پہلے حضور ِ اکرم ﷺ نے مقامِ ابراہیم کو اپنی جگہ سے تبدیل کیا تھا ، ان کی بنیاد پر اس کی نقل ِ مکانی جائز نہ ہوگی ،کیوں کہ آں حضورﷺ نے اسے اپنی جگہ رکھا ہے، ہم نے وہیں اس کے جوابات بھی دے دئے ہیں۔

**دوسری دلیل :۔**اگر ہم اس بات کو مان بھی لیں کہ حضرت عمر ِ فاروق نے اس مقام ِ ابراہیم کو تبدیل کیا تھا ، تب بھی اس کی تبدیلی کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ، اس لئے کہ یہ پھر حضرت عمر کی اقتدا نہیں بلکہ اعتدا شمار ہوگی،کیوں کہ مقتدی تووہ ہوتا ہے جو اپنے مقتدا کی اتباع کرتا ہے،کسی عمل میں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا، جیسے ایک نمازی اپنے امام کی رکوع و سجود کی متابعت کے ذریعہ اقتدا کرتا ہے، اپنے امام سے الگ ہوکر اس جیسی نماز پڑھنااقتدا نہیں کہلاتا۔حضور﷤ کا یہ فرمان کہ :" اقتدوا باللذین من بعدی—"(49)اس سے مراد یہ ہے کہ ان اصحاب ِ کرام ﷢ کے اعمال وافعال کی متابعت کرو، یہ مطلب نہیں کہ ان کی سنّت کی بھی اتباع کرو۔

**تجزیہ:** اس دلیل کا تین طرح سے تجزیہ کیا گیا ہے:

1۔مقامِ ابراہیم سے متعلق اصل حکم اتخاذِ مصلّیٰ کا ہے، جب حاجت و ضرورت کے پیش ِ نظر اس مقامِ ابراہیم کی منتقلی اور اس کے پیچھے نماز ادا کرنے پر صحابہ کرام﷢ کا اجماع ہوگیا تو یہ با ت قطعی طور پر ثابت ہوئی کہ حکم کا تعلق اس کی جگہ سے نہیں بلکہ اس کو مصلّیٰ بنانے سے ہے، لہٰذا آئندہ بھی جب ایسی کوئی ضرورت پیش آئے گی اس کی تبدیلی جائز ہوگی، البتہ اس مقام ِ ابراہیم کے بارے میں یہ رعایت رکھی جائے گی کہ اسے مسجد میں کعبہ کے قریب خاص سمت میں رکھا جائے گا ،جیساکہ صحابہ کرام﷢ نے اس کی رعایت ملحوظ رکھی تھی۔

2۔ حضرت عمر کا عمل در اصل ان مصالحِ مرسلہ میں سے تھا جو مقاصد و محاسن ِ شرع کے عین مطابق ہے،دین کے کسی اصل یا دلیل کے منافی نہیں تھا۔لہٰذا جب حضرت عمر نے حاجت و ضرورت کے باعث مقام ِ ابراہیم کو منتقل کیا توفعل ِ عمر کا اعتبار کرتے ہوئے اب بھی اسے منتقل کیا جاسکتا ہے، یہ امر اعتدا ءمیں نہیں بلکہ اقتداء میں آتا ہے،اس لئے کہ یہ ان کی طرح کا عمل بجا لانا ہے۔

3۔اگر ان مانعین کے قول کو تسلیم کرلیاجائے تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مسجدِ حرام کو بھی عہدِ نبوی اور دورِ فاروقی کی حالت و صورت میں برقرار رکھا جائےاور اس میں کسی بھی قسم کی توسیع و تغییر کو ناجائز قرار دیا جائے، یہی حکم پھر اس مسجد ِ نبوی کا بھی ہونا چاہیے جسے رسول اللہﷺ نے اپنے دستِ اقدس سے بنا یا تھا، کیوں کہ مسجدِ حرام اور مسجد ِ نبوی کا مقام ومرتبہ اس سنگِ مقام سے کہیں بڑھ کر ہے،حالاں کہ حضرت عمر ِ فاروق کے بعد دیگر خلفائے راشدین﷢نے باقاعدہ اس کی توسیع بھی کی ہے، اور امّت ِ اسلامیہ کا اس کے جواز و استحباب پر اتفاق بھی ہے۔!

**تیسری دلیل :۔** مقامِ ابراہیم اپنی موجودہ جگہ پر چودہ صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ سے موجود اور قائم ہے، اوراس میں کوئی شک نہیں کہ اتنے عرصہ میں حجاج کی تعداد میں بھی اور ازدحام میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے،لیکن کسی نے بھی اس کی نقلِ مکانی کی بات نہیں کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی جگہ کے ساتھ مختص ہے،اور یہ اختصاص واجب نہیں تو مستحب ضرور ہے، کیوں کہ اگر اس کی تبدیلی جائز ہوتی تو لوگ اس عمل سے بے خبر نہ ہوتے۔!

**تجزیہ:**اس دلیل کا بھی دو طرح سے تجزیہ کیا گیا ہے:

1۔ پہلی با راس مقامِ ابراہیم کی تبدیلی طواف کرنے والوں اور نمازیوں کی توسیع اور تیسیر کے لئے ہوئی تھی،نیز اس وقت اسے بیت اللہ کے پہلو میں رکھنا باعثِ حرج بھی تھا ،یہ علّت آج کے دور میں پہلے سے زیادہ پائی جاتی ہے۔باقی رہی یہ بات کہ اتنے طویل ادوار میں تو اس کی تبدیلی نہیں ہوئی تو اس کی وجہ علّت کا عدم ِ تحقق ہوگا، جیساکہ صحابہکے دور میں یہ علّت متحقق ہوئی تو اس کی تبدیلی عمل میں آئی۔

2۔ بعض مؤرخین نے یہ بات ذکر کی ہےکہ مقام ِ ابراہیم کو کئی بار اپنی جگہ سے منتقل کیا گیا ہے، کبھی اسے گھر اٹھا کر لے جایا گیا، کبھی اس پر لکڑی کا اور کبھی لوہے کا قبّہ بنایا گیا،اور بسا اوقات اسے ضرورت کے مطابق کبھی کعبہ کے اندر کبھی باہررکھا جاتا رہا ہے۔(50) جب سابقہ ادوار میں اسے اپنی جگہ سے آگے پیچھے کیا جاتا رہا ہے تو دور ِ حاضر میں اس سےکیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟!

**قول ِ راجح:۔** سابقہ دلائل اور تجزیات کے پیش ِ نظر میری نظر میں پہلا موقف راجح ہے کہ آج کے دور میں بھی مقام ِ ابراہیم کی اپنی موجودہ جگہ سے تبدیلی جائز ہے، البتّہ اس بارے میں اس کی خاص سمت کی ضرور عایت رہنی چاہیےکہ مسجد ِ حرام میں بیت اللہ کے قریب رکھا جائے،اس عمل سے طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے راحت اور آسانی بھی ہوگی۔

حضرت عمر ِ فاروق کے دور میں تاخیر ِ مقام کے لئے جگہ میں اتنی وسعت نہیں تھی جتنی آج ہے، کیوں کہ اس وقت مسجدِ حرام کی حدود باب ِ بنی شیبہ پر ختم ہوجاتی تھی،مقام ِ ابراہیم اور اس کے محاذات کے ما بین چند ہی میٹر کا فاصلہ تھا، اسی لئے انہوں نے اس کو زیادہ مؤخر نہیں کیا،لیکن آج مسجد بھی وسیع ہوگئی ہے اور مقام ِ ابراہیم کی منتقلی کی حاجت اور ضرورت بھی پہلے سے زیادہ در پیش ہے، اس بنا ء پر اسے جائز قرار دینا چاہیے۔

**حاصل ِ بحث:** مقام ِ ابراہیم کی منتقلی کے جوازمیں چار دلائل دئےگئے، جن میں دو قرآنی آیات،تیسرے چند فقہی قواعد اور چوتھی وہ علت جس کی بنا پر اسے جائز قرار دیا گیا، نیز اس کے ساتھ ان دلائل کا علمی انداز میں تجزیہ بھی کیا گیا ،جب کہ اس کے عدم ِ جواز میں تین دلائل دئے گئے اور ان کا بھی ساتھ تجزیہ اور جوابات دئے گئے ہیں،اس ساری بحث کا حاصل اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقام ِ ابراہیم کی آج بھی یا آئندہ کبھی منتقلی کی ضرورت پیش آتی ہے تو ضرورت و مصلحت اور دفع ِ حرج کی خاطر اس کے جواز کو ترجیح دینا چاہیے،تاکہ طواف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کے لئے باعث ِ ضرر و تکلیف ثابت نہ ہو۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتمّ واحکم

مصادر و مراجع

1۔البقرۃ: 125

2۔ ابن كثير،اسماعيل بن عمر، ابو الفداء، القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفى: 774ھ) المحقق: سامی بن محمد سلامۃ ،**تفسير القرآن العظيم**،دار طيبۃ للنشر والتوزيع، الطبعۃالثانيۃ 1420ھ- 1999 م،1/414

3۔محولہ بالا

4۔ابن حجر،احمد بن علی ،ابو الفضل العسقلانی الشافعی،**فتح الباری شرح صحيح البخاری**، دار المعرفۃ،بيروت، 1379،8/169

5**۔ تفسیر ابن کثیر**1/414،**فتح الباری** 8/169

6۔الازرقی، محمد بن عبد الله بن احمد بن محمد بن الوليد بن عقبۃ بن الازرق، ابو الوليد الغسانی المكی (المتوفى: 250ھ) المحقق: رشدی الصالح ملحس،

**اخبار مكۃ وما جاء فيها من الآثار**، دار الاندلس للنشر،بيروت،2/35

7۔ابن حمدان،سلیمان بن عبد الرحمٰن، **نقض المبانی من فتوی الیمانی وتحقیق المرام فیما تعلق بالمقام**، مطبعۃ المدنی،القاھرۃ،1383ھ/1963م،ص77

8۔محمد بن ابراہيم بن عبد اللطيف آل الشيخ (المتوفى: 1389ھ)، جمع وترتيب وتحقيق: محمد بن عبد الرحمن بن قاسم،

**فتاوى ورسائل سماحۃ الشيخ محمد بن ابراہيم بن عبد اللطيف آل الشيخ**، مطبعۃ الحكومۃ بمكۃالمكرمۃ، الطبعةالاولى، 1399 ھ،5/36

9۔عبد اللہ بن زید آل محمود ، **تحقیق المقال فی جواز تحویل المقام**،المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر،س ن، 29

10۔ اخرجہ الازرقی فی **اخبار مکۃ** 2/33

11۔المعلمی الیمانی، عبد الرحمٰن بن یحیٰ،تحقیق: علی بن حسن عبد الحمید،**مقام ابراہیم علیہ وعلیٰ نبیّنا الصلوٰۃ والسلام**،دار الرایۃ، الریاض، الطبعۃ الاولی،1417ھ،ص 58، روایت ِہذا کی تعلیل یہ کی گئی ہے کہ ازرقی مجہول الحال راوی ہیں، اور وہ اس واقعہ کے بیان کرنے میں متفرد ہیں،نیز اس کے دوسرے راوی ابن جریج بھی تدلیس میں مشہور ہیں۔

12۔دیکھیے: **نقض المبانی** لابن حمدان ص79،اس کتاب میں مذکورہ ہے کہ ازرقی کو مجہول الحال کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ جرح مبہم ہے، مفسر نہیں ہے، اور ابن جریج کی تدلیس کا جواب یہ ہے کہ تدلیس سے تو دیگر بہت سے آئمہ بھی محفوظ نہیں ہیں،صحیح قول یہ ہے کہ ابن جریج کی کثیر سے روایت بھی ثابت ہے، نیز یہ دونوں ثقہ راوی ہیں۔

13۔ **مقام ابراہیم** للمعلمی ص58

14۔**تحقیق المقال** لابن محمود ، 92

15۔ :الفاسی،محمد بن احمد بن علی، تقی الدين، ابو الطيب،المكی الحسنی (المتوفى: 832ھ)، **شفاء الغرام باخبار البلد الحرام**،دار الكتب العلميۃ، الطبعۃالاولى 1421ھ-2000م،1/323،ابن رجب ،زین الدین ابو الفرج، الحنبلی(795ھ)،فتح الباری بشرح صحیح البخاری،دار ابن الجوزی، السعودیۃ، الدمام،الطبعۃ الثانیۃ،1422ھ،2/307

16۔**نقض المبانی** لابن حمدان،ص 40

17۔ **تحقیق المقال** لابن محمود ص46

18۔ الجاثیۃ: 18

19۔الترمذی، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، ، ابو عيسى (المتوفى: 279ھ)،**سنن الترمذی**،ابواب العلم،باب ماجآء فی الاخذ بالسنۃ، شرکۃمكتبۃ ومطبعۃمصطفى البابی الحلبی ،مصر، الطبعۃالثانيۃ، 1395 ھ- 1975 م،5/44،(2676)،ابن ماجۃ، محمد بن يزيد القزوينی، ابو عبد الله،(المتوفى: 273ھ) تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقی، **سنن ابن ماجۃ**، المقدمۃ،دار احياء الكتب العربيۃ،فيصل عيسى البابی الحلبی،س،ن،1/15(42)

واخرج الترمذی حدیث "اقتدوا۔۔" فی کتاب المناقب،5/609(3662)،و ابن ماجۃ فی المقدمۃ،1/37(97)

20۔النسآء: 59

21۔ مالک بن انس، اما م دار الہجرۃ، الاصبحی(179ھ)،**المدونۃ الکبریٰ**،دار الفکر ، بیروت،س،ن، 2/252

22۔**تفسیر ابن کثیر**1/171، **فتح الباری** 8/169،**فتاوی الشیخ ابن ابراہیم**5/15

23۔ البيہقی،احمد بن الحسين بن علی بن موسى الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، ابو بكر (المتوفى: 458ھ) **دلائل النبوة ومعرفۃ احوال صاحب الشريعۃ**، دار الكتب العلميۃ،بيروت، الطبعۃالاولى،1405 ھ،2/63

24۔ البغدادی،احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی الخطيب ابو بكر، (المتوفى: 463ھ)، دراسۃ وتحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، **تاريخ بغداد وذيولہ**، دار الكتب العلمیۃ،بيروت، الطبعۃالاولى، 1417 ھ،5/121،ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن احمد ،ابو الفضل ، (المتوفى: 852)، المحقق: محمد عوامۃ**، تقريب التہذيب**، الناشر: دار الرشيد،سوريا، الطبعۃالاولى، 1406ھ-1986م،ص 358

25۔علامہ ذھبی ؒ نے المیزان میں لکھا ہے کہ دار قطنی نے احمد بن کامل کو لیّن اور متساہل کہا ہے، لیکن خطیب بغدادی نے **تاریخ ِ بغداد**(5/120) میں انکی تعریف کی ہے،کہ:" سمعت ابا الحسن بن رزقویہ ذکر احمد بن کامل فقال: لم تر عینای مثلہ"نیز دار قطنی اپنی سنن میں ان سےبہ کثرت روایات نقل کرتے ہیں،۔مزید دیکھیے:**تفسیر ابن کثیر** 1/171، **فتح الباری** 8/169

26۔ **نقض المبانی** لابن حمدان ص127

27۔**تحقیق المقال** لابن محمود ص 45، 80

28۔محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملی، ابو جعفر،الطبری (المتوفى: 310ھ)، المحقق: احمد محمد شاكر ،**جامع البيان فی تاويل القرآن**، مؤسسۃالرسالۃ، الطبعۃالاولى، 1420 ھ - 2000 م،2/33،**تفسیر ابن کثیر** 1/169

29۔**تحقیق المقال** لابن محمود ص 14

30عبد الرزاق بن ہمام بن نافع، ابو بكر،الحميری،اليمانی،الصنعانی(المتوفى: 211ھ)، المحقق:حبيب الرحمن الاعظمی ،**المصنَّف**، المجلس العلمی- الہند، المكتب الاسلامی،بيروت، الطبعۃالثانيۃ، 1403،5/48

31۔محولہ بالا

32۔محمد بن اسماعيل،ابو عبدالله البخاری،الجعفی، المحقق: محمد زہير بن ناصر الناصر، **الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننہ وايامہ،(صحيح البخاري)**،کتاب الایمان والنذور،باب اذا اہدی مالہ علی وجہ النذر والتوبۃ،دار طوق النجاة، الطبعۃالاولى، 1422ھ،8/141(6691)

33۔ النووی،يحیٰ بن شرف محی الدين ،ابو زكريا(المتوفى: 676ھ)، **المنہاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج**، دار احياء التراث العربی بيروت، الطبعۃالثانيۃ،1392ھ،1/170

34۔ اخرجہ عبد الرزاق فی **مصنفہ** 5/47

35۔ **تفسیر ابن کثیر** 1/171

36۔ابن ابي حاتم،عبد الرحمن بن محمد بن ادريس بن المنذر ابو محمد،التميمی، الحنظلی، الرازی (المتوفى: 327ھ)، المحقق: اسعد محمد الطيب ،**تفسير القرآن العظيم لابن ابي حاتم**، مكتبۃ نزار مصطفى الباز،المملكۃ العربيۃالسعوديۃ، الطبعۃالثالثۃ،1419ھ،1/226،227(1200)

37۔اخرجہ عبد الرزاق فی **مصنفہ** 5/48، اخرجہ الازرقی 2/35،36

38۔مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشيری النيسابوری (المتوفى: 261ھ)،المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی ،**المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم(صحیح مسلم)**، کتاب الحج،باب حجۃ النبیﷺ،دار احياء التراث العربی،بيروت،س،ن،2/886(1218)

39۔ابو داود، سليمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الازدي السِّجِسْتانی(المتوفى: 275ھ)، المحقق: محمد محی الدين عبد الحميد ، **سنن ابی داود**،کتاب الحج، باب صفۃ حجۃ النبیﷺ،المكتبۃ العصريۃ، صيدا،بيروت،س،ن، 2/182(1905)

40۔ **تفسیر ابن کثیر** 1/385، فتح الباری 8/169

41۔ البقرۃ : 125

42۔ **تفسیر الطبری** 2/38،39

43۔اخرجہ مسلم،کتاب الحج، باب حجۃ النبیﷺ،2/888(1218)

44۔ البقرۃ : 19

45۔ البقرۃ : 185

46۔ النسآء: 29

47۔ الحج: 78

48۔ البقرہ: 185

49**۔ سنن الترمذی**، کتاب المناقب 5/609(3662) و **ابن ما جۃ**، المقدمۃ 1/37(97)

50۔ **شفاء الغرام** للفاسی ،1/330

1. حافظ خالد محمود، پی ایچ ڈی اسکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور [↑](#footnote-ref-1)
2. ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور [↑](#footnote-ref-2)